# علامہ اقبال کا تصورِ ملت

ڈاکٹر علی محمد بٹ

علامہ اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) نے اپنی شاعری کے ذریعے مِلّی تصور کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شاعر، فلسفی اور سیاسی لیڈر ہونے کے ساتھ ایک انقلابی ذہن کے مالک تھے۔ انہوں نے چودھویں صدی ہجری/ بیسویں صدی عیسوی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اُن کی شخصیت کے متعدد پہلو ہیں اور ہر پہلو جداگانہ رنگ اور نرالی چمک کا حامل ہے۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں ایک زبردست علمی اور سیاسی شخصیت ہونے کے باوجود تکبر، غرور اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے اور اپنی حیثیت کو برتر رکھنے کے لیے کسی کوشش کا سُراغ نہیں ملتا ہے۔[۱] انہوں نے تمام عمر مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے وقف کی۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام اپنی پوری تاریخ میں داخلی سازشوں اور خارجی یلغاروں کا شِکار رہا ہے۔ داخلی ریشہ دوانیوں نے اسے جو نقصان پہنچایا ہے، وہ شاید ہی خارجی محاذ پر ہوا ہو۔ اسلام انسانیت کے لیے خُدا کا پسندیدہ دین ہے۔ یہ ایک ایسی دعوت ہے جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور اُن کے متبعین کے ہاتھوں تاریخ کے آخری لمحے تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ قرآنِ کریم نے روئے زمین کی پادشاہی اور باشندگانِ زمین پر حکم رانی صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص کی ہے، اس کے سوا کسی انسان کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسلام کی دعوت کسی قومی، ذاتی اور علاقائی شناخت کا نام نہیں ہے، بلکہ غیر مشروط اطاعت کا نام ہے اور اسی دعوت کا اظہار انسانی تاریخ میں تسلسل اور ترتیب کے ساتھ تمام انبیائے کرام نے کیا ہے۔ دراصل اسی وسعتِ فکری کا اظہار تھا کہ حضرت محمد ﷺ کسی خاص اور نئی اُمت کے قیام کے دعوے دار نہیں، بلکہ مِلت ابراہیمی کا احیاء کرنے والا آخری پیغمبر تھے۔ اُن کی دعوت تمام

انبیائے سابقہ کی دعوتوں کی ارتقائی شکل ہے۔[۲] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا (الانعام۔۱۶۱)

بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دِکھائی ہے، ٹھیک دین، ابراہیم کی ملّت، جو اللہ کے لیے یک سو تھے۔

مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ ھٰذَا (الحج:۷۸)

اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہو جاو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی۔

علامہ اقبال نے اسی ملّی تصور کو اُجاگر کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بھر پور استعمال کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ تمام دُنیا کے مسلمان ایک ہی مِلّت سے وابستہ ہیں اور وہ کسی خاص علاقے سے منسلک نہیں ہیں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانوں کی رنگ ونسل، زبان یا وطن کی بنیاد پر تقسیم کو قبول نہیں کرتا ہے، بلکہ اس میں قوم کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے۔ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قولاً وعملاً اقرار کرکے حضرت محمد ﷺ کے تعلیمات پر عمل کرنے والے کو ہی مسلمان کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قوم پرستی کو انسانیت کی موت قرار دیا، کیونکہ اسلام کا مقصد لسانی، نسلی اور خاندانی تعصّبات کے ساتھ علاقائی حدود کو ختم کرکے ایک عالم گیر تصور پیش کرنا ہے۔ اس مشن کا مقصد انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ما مسلمانیم اولادِ خلیلؑ　　از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل
باوطن وابستہ تقدیرِ اِمم　　برنسب بنیاد تعمیر اُمم
اصل مِلّت در وطن دیدن کہ چہ　　بادوآب و گل پرستیدن کہ چہ
برنسب نازان شدن نادانی است　　حکمِ اواندرتن وتن فانی است
مِلّت مارا اساسِ دیگر است　　ایں اساس اندر دل ما مضمر است
حاظریم و دل بغائب بستہ ایم　　پس زبند این وآنِ وارستہ ایم
رشتہ ایں قوم مثلِ انجم است　　چوں نگہ ہم از نِگاہِ ما گم است
تیر خوش پیکانِ یک کیشیم ما　　یک نما یک بیں، یک اندیشیم ما

مدعاے ما ، مآلِ ما یکے ست — طرز و اندازِ خیال ما یکے ست

ما ز نعمت ہاے او اخواں شدیم — یک زبان و یک دل و یک جان شدیم[۳۴]

(ہم مسلمان ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر تم دلیل چاہتے ہو تو قرآن کی آیت 'مِلّۃِ ابیکم ابراھیم' سے دلیل حاصل کر کے قوم کی بنیاد پر رکھو۔ پانی اور مٹی کو پوجنا، نسب پر فخر کرنا حماقت ہے، اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے اور جسم فانی ہے۔ ہماری مِلّت کی اساس دوسری ہے۔ یہ اساس ہمارے دل کے اندر پوشیدہ ہے۔ ہم حاضر ہیں، لیکن دِل کو غائب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ وہی ہمارا کارساز ہے۔ پس ہم ایسی ویسی پابندی سے آزاد ہیں۔ ہمارا مقصد اور انجام ایک ہے۔ ہمارے طور طریقے اور ہمارے خیال ایک ہیں۔ ہم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ ہم ایک زبان، ایک دل اور ایک جان ہو گئے۔)

علامہ اقبال نے مِلّت کا جو تصور اس نظم کے ذریعے پیش کیا ہے وہ محض نظریاتی نہیں، بلکہ یہ وحدت اِلٰہ اور وحدت انسانیت کا وہ تصور ہے جس کا دنیا عملی طور پر مشاہدہ کر چکی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ توحید کے ذریعہ جس قوم یا مِلّت کی بنیاد رکھی تھی اس کے ماننے والوں نے لسانی اور علاقائی تعصب سے بالاتر ہو کر ایک عظیم وحدت کا تصور پیش کیا، جس کا دنیا نے ہجرت کے بعد مدینہ میں مشاہدہ کیا۔ اس کے افراد میں وہ محبت اور اخوت پائی جاتی تھی جو دوسری قوموں کے حقیقی بھائیوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے سفید فاموں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن دربارِ رسالت مآب میں یہ دونوں صحابی بھائی بھائی تھے۔ علامہ اقبال نے اسی اخوت اور بھائی چارے کو اس طرح بیان کیا ہے:

اسود از توحید احمر می شود

خویش فاروق و ابو ذر می شود[۳۵]

(توحید کے ذریعے کالا گورا بن جاتا ہے، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کا قرابت دار ہو جاتا ہے۔)

مسلمانوں کے لیے پوری دنیا ایک گھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اسی کی ایک کڑی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان کسی مخصوص علاقے سے منسلک نہیں ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالا تر ہیں۔ وہ کسی خاص ملک یا علاقے پر نگاہ جمائے نہیں رہ سکتے، بلکہ اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے جہاں پہنچ جائیں وہی اُن کا دیس ہے، چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

''ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست'' ۵

(ہر ملک ہمارا ملک ہے، کیونکہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔)

دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں:

جوہر ما با مقامے بستہ نیست　　بادہ تندش بجائے بستہ نیست
صورت ماہی بہ بحر آزاد شو　　یعنی از قید مقام آزاد شو ۶

(ہمارا جوہر کسی ایک ملک سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کی تیز شراب کسی ایک جام تک محدود نہیں ہے۔ وہ مچھلی کی مانند سمندر میں آزاد ہے، یعنی کسی مقام کی قید سے آزاد ہو جا۔)

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے مسلم قومیت کا عقدہ حل کر دیا۔ انہوں نے اخوت کا وہ تصور پیش کیا جو سرحدوں کی حد بندی سے آزاد ہے۔ آپؐ نے ہجرت کر کے ایک عالمی تہذیب کی بنیاد ڈال دی۔ اس ہجرت کو علامہ اقبالؒ نے پوشیدہ حکمت سے تعبیر کیا ہے، جس سے عالمی بھائی چارہ جنم لیتا ہے:

عقدہ قومیت مسلم کشود　　از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک مِلّت گیتی نورد　　بر اساس کلمہ تعمیر کرد
قصہ گو یاں حق زماپوشیدہ اند　　معنی ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئین حیات مسلم است　　این از اسباب ثبات مسلم است
معنٰی او از تنک ابی ورم است　　ترک شبنم بہر تسخیریم است
از گل گلستان مقصود تُست　　این زیان پیرایہ بند شود تُست ۷

(حضرت محمد ﷺ نے مسلم قومیت کا عقدہ حل کر دیا۔ ہمارے آقا نے وطن سے ہجرت کر کے حکمتِ بالغہ کے ساتھ توحید کی بنیاد پر دنیا میں ایک عظیم بین الاقوامی تصور کی داغ بیل ڈالی۔ اس طرح انہوں نے قومیت یا وطنیت کا تصور ختم کر دیا۔ اگر چہ قصہ سنانے والوں نے ہم سے حق کو چھُپا کر رکھا اور ہجرت کے معنٰی کو غلط سمجھایا۔ حقیقت میں یہ مسلمانوں کی زندگی کا دستور ہے۔ اس سے شعور جنم لیتا ہے اور یہ مسلمانوں کی ثابت قدمی اور استحکام کا ایک بڑا سبب بن جاتا ہے۔ اس کا معنٰی قلیل پانی سے گریز اور دریا کی خاطر شبنم کو ترک کرنا ہے۔ اس لیے مسلم کو کہا گیا کہ پھول کو چھوڑ دے، کیونکہ اس کا مقصود تو باغ ہے۔ حقیقتاً (پھول چھوڑنے کا) یہ نقصان اے مسلمان تیرے فائدے کی خاطر ہے۔)

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ توحید نے علامہ اقبال کو تصورِ ملّت کا عظیم فلسفہ پیش کرنے پر اُبھارا ہے۔ اس تصور کا محور مملِکت خُداداد کا قیام ہے، لیکن موجودہ دور میں وطن کو مِلّت کی بنیاد قرار دیا گیا اور وطنیت کی بقا کے لیے تصور مِلّت کو چھوڑ دیا گیا، مگر وطنیت کے اس تصور نے بنی نوعِ انسان کے لیے فساد کی راہیں کھول دی ہیں۔ بقولِ علامہ اقبالؒ:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے [8]

موجودہ نظریۂ قوم پرستی کو مغربی طاقتیں ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ وہ دیرینہ خواب، جو صلیبی جنگوں سے اُن کو حاصل نہیں ہو سکا، وہ قوم پرستی سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مِلّت اسلامیہ کو توڑنے میں استعماری قوتیں کافی حد تک کامیاب ہو گئی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بہت سی ایسی قومیں گزری ہیں جن کی مادی شان و شوکت سے دوسری قومیں لرزتی تھیں، مگر بایں ہمہ گردش ایام نے اُن کو پیس کر رکھ دیا۔ اس کی وجہ دین سے بے زاری اور نسلی و جغرافیائی طریقہ زندگی کو فوقیت دینا ہے۔ اس لیے کہ وطنیت، چاہے

رنگ و نسل کی بنیاد پر ہو یا علاقائی حد بندی کی بنیاد پر، انسانوں کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ کر کے ہوس پرست بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے ملّی تصور کو اُجاگر کرنے کے لیے اپنی شاعرانہ صلاحیت کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں ۔۔۔ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو ۔۔۔ قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
یقین افراد کا سرمایہ تعمیرِ ملّت ہے ۔۔۔ یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملّت ہے [9]

قوم پرستی کا آغاز مغرب میں انقلابِ فرانس یعنی ۱۷۸۹ء کے بعد ہوا۔ مشہور قوم پرست جان جیک روسو اس بات پر مصر تھا کہ انسان کو سب سے زیادہ تعلق اپنے گھر اور ملک سے ہونا چاہیئے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ فرد یا گروہ کی محبت اور وفاداری کا مرکز و محور اس کا وطن ہونا چاہیے۔ اس نے نوعِ انسانی کی، اجتماعی، دینی اور سماجی نظام سے وابستگی کی شدید مخالفت کی۔ مغربی مصنفین کی تحریروں سے عیاں ہے کہ وہ قوم پرستی، زبان، ملک اور نسل کو وحدت کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ اُن کا اصرار ہے کہ غیر کے مقابلے میں ہم کو وطن کا دفاع کرنا ضروری ہے، چاہے اس کا موقف صحیح ہو یا غلط۔ چناچہ قوم پرستی عوام کے جذبات سے کھیلنے، فوجوں کو حرکت میں لانے، ہمسایہ ملکوں کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے، توسیع پسندی، قتل و غارت گری، بدعنوانی اور ظلم و جبر کا ایک ذریعہ بن گئی ہے۔[10]

اسلام اپنا ایک مستقل نظامِ فکر رکھتا ہے۔ وہ انسان کی عملی، سیاسی، اجتماعی اور روحانی زندگی پر محیط ہے۔ اسی وجہ سے قوم پرستی کا ملّت اسلامیہ کے ساتھ ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ دونوں نظریات ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں۔ مِلّت اسلامی کی وحدت کی بنیاد ایک بین الاقوامی تصور پر مبنی ہے اور اس کی تشکیل عقیدے کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے مذہب کو ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں ۔۔۔ جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں [11]
مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی ۔۔۔ دِین زخمہ ہے، جمعیت مِلّت ہے اگر ساز
باقی نہ مِلا زمزمِ مِلّت جو اس کو ۔۔۔ پیدا ہیں نئی پوَد میں الحاد کے انداز [12]

جب مختلف قومیں کسی خاص مقام یا کسی ایک مرکز میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب وترتیب کے ساتھ مِل جاتی ہیں تو ایک اجتماعیت وجود میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جابجا اجتماعیت کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑی رحمت ونعمت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاعۡتَصِمُو بِحَبۡلِ اللهِ جَمِيۡعًا وَ لَا تَفَرَّقُوۡ اوَ اذۡ كُرُوۡ نِعۡمَتَ اللهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَاءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ وَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا. (آل عمران:۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

دورِ جدید میں لوگوں نے قوم پرستی (یا وطن پرستی) سے متاثر ہوکر اخوت کے رشتے کو بری طرح پامال کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں بنی نوع انسان قبیلوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ علامہ اقبال نے جب اس تصور کو مسلمانوں میں پنپتا دیکھا تو انہوں نے وطنیت پر زبردست تنقید کی:

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خُدا بٹتی ہے اس سے قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
یہ بت کہ ترا شیدۂ تہذیب نوی ہے غارت گر کا شانۂ دینِ نبویؐ ہے [۱۳]

اسلامی تصورِ ملت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کے دلوں کو نفرت اور تعصب سے پاک کر کے ایک ایسی مِلّت قائم کی جائے جس کی بنیاد حق وعدل پر ہو اور وہ رنگ ونسل اور علاقہ کی حد بندیوں سے بھی کوسوں دور ہو۔ چنانچہ اسلام کو ماننے والے اپنے آپ کو ملکی سرحدوں میں محدود نہ کریں، بلکہ وحدت انسانیت پر ایمان رکھیں۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

نہ افغانیم ونے ترک و تتاریم چمن زادیم ویک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است کہ پروردہ یک نو بہاریم [۱۴]

(مسلمان نہ افغانی ہیں اور نہ تُرک اور تاتاری، بلکہ وہ ایک باغ اور ایک

شاخسار ہیں۔ہم مسلمانوں پر رنگ و بو کی تمیز حرام ہے، کیونکہ ہم ایک نئی بہار
کے پروردہ ہیں۔)

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر مِلت میں گم ہو جا        نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی ۱۵

اسلام کو ماننے والوں پر رنگ ونسل، زبان اور وطنیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اُمت سے تعبیر کیا ہے، جس کی بنیاد توحید پر قائم ہے۔چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے        اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
اپنی مِلّت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر        خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
اِن کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار        قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں        اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی ۱۶

جدید دور میں مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو چھوڑ کر مغرب کی پیدا کردہ وطنیت کے تصور کو اپنایا۔اس نئے تصور نے انسان کو انسان سے بیگانہ کر دیا اور نوعِ انسانی کے لیے فتنہ وفساد کی راہیں کھول دیں۔چنانچہ انسانی جسم تو باقی ہے، لیکن انسانیت مفقود ہوگئی ہے۔مسلمانوں نے اخوت کے تصور کو بھُلا کر اور غیروں کے طریقۂ زندگی کو اپنا کر کے اپنی دنیا اور عاقبت دونوں برباد کرلی ہے۔علامہ اقبال کہتے ہیں:

آں چناں اخوت کردہ اند        نوعِ انسان را قبائل ساختند
جنّتے جُستند در بِئس القرار        تا اَحَلّوْ قَوْ مَھُم دَارَالْبوار
مردمی اندر جہاں افسانہ شد        آدمی از آدمی بیگانہ شُد
رُوح از تن رفت ہفت اندام ماند        آدمیت گم شدہ اقوام ماند ۱۷

(عصرِ حاضر میں مسلمانوں نے بھائی چارے کے رشتے کو اس طرح توڑا ہے
کہ مِلّت پر وطن کی تعمیر کی ہے۔جب انہوں نے وطن کو اختیار کیا تو بنی نوع
انسان قبیلوں میں تقسیم ہوگئے۔انھوں نے بدترین جگہ یعنی (جہنم) میں جنت
تلاش کی۔یہ تازہ وطن پرست اپنی مِلّت کو بدترین جگہ پر لے گئے۔انسان

ایک دوسرے سے بیگانہ ہو گئے، ایسے کہ جسم سے روح نکل گئی اور خالی جسم باقی رہ گیا، انسانیت ختم ہوگئی اور وطنیت باقی رہ گئی۔)

علامہ اقبال نے زندہ اقوام کو مرکزیت سے منسلک کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ مرکز کے بغیر کوئی قوم قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ اس زمین میں مسلمانوں کا مرکز بیت اللہ ہے۔ جب تک وہ اس مرکز کے ساتھ وابستہ نہیں رہیں گے، اس وقت تک اُن کی سالمیت قائم و دائم نہیں رہے گی۔ فرماتے ہیں:

قوم را ربط و نظام از مرکزے     روز گارش را دوام از مرکزے
راز دار رازِ ما بیت الحرام     سوز ما ہم ساز ما بیت الحرام
تو ز پیوند حریمے زندہ     تا طوافِ او کنی پایندہ ۱۸؎

(قوم ایک مرکز کے ساتھ ہی مربوط اور منظّم ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کو مرکز ہی سے دوام حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا راز دار اور ہمارے سوز وساز یعنی ہماری آرزو اور دوڑ دھوپ کا مرکز بیت اللہ الحرام ہے، کیونکہ جو آواز یہاں سے اُٹھی ہے اُسی نے دنیا کے سیاسی، اخلاقی اور مذہبی نقشہ کو بدل دیا ہے۔ مسلمان بیت اللہ الحرام کی وابستگی کے ذریعے زندہ ہے، جب تک تو (یعنی مسلمان) اس کا طواف کرتا رہے گا (یعنی اس کو اپنا سیاسی و مذہبی مرکز مانے گا)، قائم و دائم رہے گا۔)

مسلم امت بڑی آزمائشوں سے گزر کر ابھی تک موجود ہے۔ اس کو مِٹانے کے لیے بڑی بڑی کوششیں کی گئیں، لیکن کوئی قوم اس کو ناپید نہ کر سکی۔ تاریخ گواہ ہے کہ دوسری تمام قومیں زمین سے مِٹ گئیں اور اُن کا وجود باقی نہ رہا، جیسے قیصرو کسریٰ وغیرہ، لیکن مسلم امت، باوجود یہ کہ بڑے بڑے فتنوں سے دوچار ہوئی، مگر اس کا وجود اب تک قائم ہے۔

یونان و مصر و روما سب مِٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا ۱۹؎

تاریخ کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے اندر کوئی ایسا لائحہ عمل موجود ہے جو اُن کو زوال سے بچالیتا ہے اور وہ ہے عقیدۂ توحید۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

توحید کی امانت سینوں میں ہیں ہمارے

آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا [۲۰]

اگر مسلمان مِلّت گری کے فروغ کے لیے کام کریں تو قوم پرستی از خود خاک میں دفن ہو جائے گی۔ اس کے بر عکس اگر وہ قوم پرستی کی ترقی اور اُس کے فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے تو مِلّی تصور خود بخود زوال پذیر ہوگا، کیونکہ قوم پرستی کی بنیاد انسانی دماغ سے نکلنے والے ہر اُس فکر و فلسفہ پر ہے جس میں وحدانیت کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ لیکن مِلّت گری کا تصور اسلام سے وابستہ ہے اور اس کی تمام اکائیاں وحدانیت پر منحصر ہیں۔ اس کے قانون کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ عملاً ہر شخص ان دو تصورات میں سے کسی ایک ہی کے ساتھ وابستگی اور وفا داری رکھ سکتا ہے۔ مسلمان اُسی وقت تک مسلمان رہ سکتے ہیں جب تک ان کی زندگی کے تمام پہلو اسلامی نقطہ نظر کے حامل ہوں۔ اگر انھوں نے اپنی مِلّی اور سیاسی زندگی میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا اور اسلام کے بعض احکام پر عمل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا تو انھیں ابتر صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مِلّت اسلامیہ دراصل نبوت کے ماننے والوں پر مشتمل ایک ایسی جماعت کا نام ہے جس نے زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کی غیر مشروط اطاعت پر زور دیا ہے۔ مِلّت کا یہ تصور حقیقی طور پر زمان و مکان اور نسلی، لسانی اور جغرافیائی سرحدوں سے کوسوں دور ہے۔ اس تصور سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تصور مِلّت اسلامیہ کو فرقہ بندی کی عینک سے دیکھنا ایک سنگین جرم ہے، کیونکہ اسلام کسی خاص گروہ کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے عالم گیر کردار کی وجہ سے بہت کم مدت میں دنیا کے اکثر و بیشتر حصّے پر اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا۔ اسلامی تاریخ کے آغاز میں مسلمانوں کی پہلی نسل جس حیرت انگیز طریقے سے پوری دنیا پر چھا گئی اس کے پیچھے ایک بڑا محرک کتاب و سنت سے تشکیل پانے والا قلبِ سلیم تھا۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ قرآن و سنت رہتی دنیا کے لیے ایک زندہ ہدایت ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کی تعلیمات کو روبہ عمل لا کر ایک عالم گیر ملّت کے قیام کے لیے راہ ہموار کریں۔ علامہ اقبالؒ نے اسی تصور کو اپنی شاعرانہ فکر سے اُجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

# حواشی ومراجع

۱۔ جامع انسائیکلو پیڈیا اردو، قومی کونسل برائے فروغ اردوز بان، نئی دہلی، ص۵۱

۲۔ ڈاکٹر تسکینہ فاضل، علامہ اقبال اوران کے معاصر شعرا اوراد با، فاضل پبلی کیشنز، سرینگر کشمیر، ۲۰۰۳، ص ix-v

۳۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۹۳

۴۔ رموز بے خودی، کلیات فارسی، ص۹۲

۵۔ پیام مشرق، کلیات فارسی، ص ۱۲۹

۶۔ رموز بے خودی، کلیات فارسی، ص۱۱۲

۷۔ اسرار ورموز، کلیات فارسی، ص۱۱۶

۸۔ بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۲۷

۹۔ ایضاً، ص ۲۶۷

۱۰۔ Paul Lawrence: Nationalism: History and Theory, Pearson publication, 2005

۱۱۔ بانگ درا، کلیات اقبال، ص ۲۸۱

۱۲۔ ایضاً، ص۳۴۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۱۴۔ پیام مشرق، کلیات اقبال (فارسی)، ص۵۲

۱۵۔ بانگِ درا، کلیات اقبال اردو، ص۳۸۲

۱۶۔ بانگِ درا، کلیات اقبال، (اردو)، ص ۲۲۷، ۳۵۲-۳۵۳

۱۷۔ اسرارِ رموز، کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۱۵

۱۸۔ ایضاً، ص۱۳۵

۱۹۔ بانگِ درا، کلیات اقبال، (اردو)، ص ۱۱۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۲۵

☆☆☆

# ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی

# چند اردو مطبوعات

| | کتاب | مصنف | صفحات | قیمت |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | معرکۂ اسلام و جاہلیت | مولانا صدرالدین اصلاحی | ۱۳۷ | ۹۰ |
| ۲ | مذہب کا اسلامی تصور | مولانا سلطان احمد اصلاحی | ۵۹۱ | ۱۰۰ |
| ۳ | مشترکہ خاندانی نظام اور نظریہ اسلام | مولانا سلطان احمد اصلاحی | ۱۰۲ | ۴۰ |
| ۴ | وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام | مولانا سلطان احمد اصلاحی | ۱۹۲ | ۴۰ |
| ۵ | آزادیٔ فکر و نظر اور اسلام | مولانا سلطان احمد اصلاحی | ۱۲۸ | ۴۰ |
| ۶ | قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۲۹۶ | ۷۰ |
| ۷ | حضرت ابراہیم علیہ السلام | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۲۰۰ | ۵۰ |
| ۸ | اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۸۴ | ۴۵ |
| ۹ | کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۶۰ | ۲۰ |
| ۱۰ | جرائم اور اسلام | مولانا محمد جرجیس کریمی | ۲۲۴ | ۵۰ |
| ۱۱ | مسلمانوں کی حقیقی تصویر | مولانا محمد جرجیس کریمی | ۱۶۴ | ۵۵ |
| ۱۲ | عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت | پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی | ۱۳۶ | ۳۰ |
| ۱۳ | شیئر بازار میں سرمایہ کاری | ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی | ۱۵۶ | ۴۵ |

## ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵